اجماعِ اُمّت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت

از طیب شاہین لودھی

(۲)

اجماعِ سکوتی کسی نئے مسئلے میں ایک مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور رائے پھیل کر ہم عصر اہلِ علم میں مشتہر ہو جاتی ہے۔ اہلِ علم کی طرف سے اس قول کی تائید یا مخالفت میں کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ آیا اس سکوت کو اجماع تصور کیا جائے گا یا عدم اجماع؟

امام ابو سلیمان داؤد ظاہریؒ، ان کے بیٹے علامہ ابو بکر محمد بن داؤد ظاہریؒ، علامہ المرتضیٰؒ اس سکوت کو اجماع تسلیم نہیں کرتے۔ بعض اہل علم نے اس مسلک کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا آخری قول ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور علامہ آمدیؒ نے بھی اسی رائے کو امام شافعیؒ کا منصوص قولِ جدید قرار دیا ہے[۱]۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اسے "اعلام الموقعین" میں قولِ جدید کے طور پر نقل کیا ہے[۲]۔ امام جوینی اسے شافعیہ کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ رسالہ "المنار" کے مصنف اور اس کے شارح نے بھی اس مذہب کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی اصولِ فقہ پر اپنی مشہور کتاب (اللُّمَع فی اصول الفقہ) میں لکھتے ہیں: "فالمذهب انّ ذلك حجة واجماع بعد انقراض العصر[۳]" (اس سکوت کے بارے میں) شوافع کا مذہب

---

[۱] ارشاد الفحول للشوکانیؒ ص ۸۴

[۲]

[۳] اللمع فی اصول الفقہ لابی اسحاق الشیرازی طبع البابی الحلبی ۱۹۵۷ء ص ۴۹۔

یہ ہے کہ انقراضِ عصر کے بعد یہ حجت اور اجماع ہے" شافعیہ میں سے ابن ابی ہریرۃ" اس میں تفصیل کے قائل ہیں۔ استاد ابو اسحاق کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں اس "سکوت" کو اجماع کا نام دینے پر اختلاف ہے ورنہ اس پر عمل کرنے کے وجوب پر سب متفق ہیں[1]۔

حنفیہ اس سکوت کو "اجماع ضروری" قرار دیتے ہیں کیونکہ قدرت و اختیار رکھتے ہوئے منکر پر سکوت اختیار کرنا فسق ہے۔ اہلِ علم و عدل حضرات سے اس کا صدور ممکن نہیں اس لیے اسے اجماع ماننا پڑے گا۔ لہٰذا کسی مسئلہ کے رونما ہونے کے بعد اگر اہلِ علم سکوت اختیار کرتے ہیں تو اس سکوت کو "تسلیم" تصور کیا جائے گا[2]۔

وہ فقہاء جو اجماع سکوتی کو حجت تسلیم کرتے ہیں وہ اس کے انعقاد کے لیے مندرجہ ذیل شرائط عائد کرتے ہیں ان میں سے اکثر علامہ خضری مرحوم نے "التحریر" کے شارح کے حوالے سے اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں درج کی ہیں۔

۱۔ سکوت کو اجماع تسلیم کرنے سے پہلے یہ بات یقینی ہو کہ معلوم ہو جائے کہ اس مجتہد کی رائے سب تک پہنچ گئی ہے اور کسی سے انکار ثابت نہ ہو۔

۲۔ سکوت علامات کراہت و رضا سے خالی ہو۔

۳۔ مسئلہ پر نظر و تامل کے لیے کافی مہلت دی گئی ہو اور اس مہلت کے دوران کسی کا اعتراض یا اختلاف ظاہر نہ ہوا ہو۔

۴۔ جس مسئلہ پر سکوت ہے وہ اس سے پہلے اختلافی مسئلہ نہ ہو ورنہ یہ سکوت اس بات کی دلیل ہو گا کہ اس مسئلہ پر اس سے پہلے بہت کچھ اختلاف رائے کا اظہار ہو چکا ہے۔

۵۔ یہ رائے اجتہادی مسئلے میں ہو۔ اگر کسی حکم ثابت کے خلاف رائے کا اظہار کرتا ہے تو دیگر اہلِ علم کے سکوت کو اس اجتہادی رائے کے موافق تسلیم نہ کیا جائے گا۔

یہ ہیں وہ شرائط جو اجماعِ سکوتی کے قائلین خصوصاً فقہائے حنفیہ عائد کرتے ہیں۔ لیکن سوال

---

[1] ارشاد الفحول للشوکانی ص ۸۴

[2] حاشیہ نور الانوار ص ۲۲۳ - حاشیہ ۱۱

پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام شرائط کا پورا ہونا اور پھر ان کے موجود ہونے کا علم قطعی ممکن بھی ہے؟ خصوصاً جبکہ اکثر فحول صحابہ کرام کے اجماع کے بعد "اجماعِ قولی" تک کے وجود کو ممکن العلم نہیں کرتے کیونکہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلے ہوئے ممالک اسلامیہ میں "اجماعِ قولی" تک کا انعقاد ممکن نہیں۔ اجماعِ سکوتی اپنی تمام شرائط سمیت کیونکر ممکن العلم ہو سکتا ہے۔

بعض علمائے اصول اجماعِ سکوتی کو حجتِ ظنی کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ ابوالحسن آمدی اسی طرف گئے ہیں[1]۔

بعض اہلِ علم نے اجماعِ سکوتی کی حجیت کے لیے عصرِ صحابہ کی شرط عائد کی ہے کیونکہ عصرِ صحابہ میں اختلاف ممکن العلم ہے۔ نیز صحابہ کرام کے متعلق اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی منکر پر سکوت اختیار کر سکتے ہیں[2]۔

اجماعِ سکوتی کے مخالفین کے دلائل وہ اہل علم جو اجماعِ سکوتی کو کسی قسم کا اجماع تسلیم کرنے سے انکار کرتے وہ اپنے موقف کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

۱۔ جب کسی نئے پیش آنے والے مسئلے پر چند اہلِ علم کوئی حکم لگاتے ہیں تو ان کی رائے پر دیگر اہلِ علم کے اختلاف کے متعلق عدمِ علم سے عدمِ اختلاف لازم نہیں آتا۔

۲۔ کسی مفتی کا وہی فتویٰ تسلیم کیا جاتا ہے جو قولِ صریح کے ساتھ ہو جس میں کسی قسم کا احتمال نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن سکوت میں تردّد کا احتمال پایا جاتا ہے۔

۳۔ ممکن ہے باطن میں کوئی ایسا مانع موجود ہو جس کی بنا پر مفتی اظہارِ رائے نہیں کر پاتا۔ بسا اوقات اس کے سکوت کے باوجود عدمِ رضا ظاہر ہو جاتی ہے۔

۴۔ بعض دفعہ ایک مجتہد اظہارِ رائے کے نتائج و عواقب سے خائف ہو کر اظہارِ رائے سے احتراز کرتا ہے۔ اس سلسلے میں "نور الانوار" کے فاضل مصنف نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے "عول" کے مسئلے میں اختلاف کا اظہار کیا۔

[1] اصول الفقہ - علامہ خضری بک ص ۳۰۱

[2] ارشاد الفحول ص ۸۵

تو اُن سے پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے اظہارِ اختلاف کیوں نہیں کیا انہوں نے جواب دیا "عمرؓ کے کوڑے کے ڈر سے"۔

۵۔ بسا اوقات بعض اہل علم "کُلُّ مجتہدٍ مُصیب" کے اصول پر اعتقاد رکھنے کی بنا پر اجتہادی مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود اظہارِ اختلاف نہیں کرتے۔

۶۔ بعض دفعہ اہلِ علم سے اُن سے عدمِ فرصت کی بنا پر اختلاف رائے ظاہر نہیں ہوتا یا کسی عارض کی بنا پر وہ اظہار رائے میں عجلت کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں اور اس عارض کے زائل ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

۷۔ بسا اوقات ایک مجتہد کسی مسئلہ میں کسی تردد کی بنا پر توقف کرتا ہے اور رائے کا اظہار نہیں کرتا۔

سکوت کو اجماع تسلیم کرنے کے لیے جو شرائط عائد کی گئی ہیں وہ زیادہ تر نظری ہیں۔ ماضی میں عملاً ان شرائط کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ابلاغ کی سہولتوں کا فقدان ہے۔ اِن حالات میں امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہما اللہ کی آراء کے مطابق اگر صحابہ کرامؓ کے بعد اجماع قولی کا انعقاد ناممکن العلم ہے تو ایک مجتہد یا چند مجتہدین کے اجتہاد کے خلاف کسی رائے سے متعلق عدمِ علم کو کس طرح اجماع کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے جب تک ہمیں حتمی طور پر یہ یقین نہ ہو کہ اس اجتہاد کی تمام اہل علم اور اہل حل وعقد تک پہنچ گئی ہے اور واضح قرائن سے ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اہلِ علم مذکورہ رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اس وقت تک اُسے اجماع نہیں کہا جا سکتا۔ یوں تو فقہی اور قانونی جوابات میں ہر فریق اپنی رائے پر اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہی وہ دعویٰ اجماع ہے جس کی جناب امام احمدؒ نے تکذیب کی ہے۔

عصرِ صحابہ میں اجماعِ سکوتی عصرِ صحابہ میں اجماعِ سکوتی کو اس کے ممکن العلم ہونے کی بنا پر حجت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل: خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں کسی نئے پیش آنے والے مسئلہ پر اگر مجلس شوریٰ متفق طور پر کوئی فیصلہ کرتی ہے۔ اس پر شوریٰ سے باہر تمام صحابہ خواہ کہیں ہوں اگر سکوت اختیار کر لیں تو یہ اجماع حجت ہو گا۔ دراصل یہی وہ اجماع ہے جسے اجماع صحابہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے حجت ہونے

پر تمام اہلِ علم متفق ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ خلفائے راشدین کے اس فتوے یا فیصلے کو بھی اجماع کا درجہ دیتے ہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور سکوت اختیار کیا اس قسم کا سکوت بھی اجماع اور حجت ہوگا۔ چنانچہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں،

"خلفائے راشدین کی وہ سنت جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے مقرر کی اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی مخالفت منقول نہ ہو تو یہ سنّت بلا ریب حجت بلکہ اجماع ہے"۔[۱]

ثانی:- اگر کسی صحابی کی رائے یا فتویٰ صحابہ کرام میں مشتہر ہوئے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے مخالفت نہ کی ہو تو جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ یہ حجت اور اجماع ہے، امام احمد اور اُن کے اصحاب کہتے ہیں کہ استقرارِ مذاہب سے قبل یہ اجماع ہوگا۔ بعض حنابلہ نے اس میں اختلاف نقل کیا ہے[۲] فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ یہ قول حجت ہے مگر اس پر اجماع کا اطلاق نہیں ہوگا۔ متکلمین اور فقہائے متاخرین میں سے بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ قول نہ حجت ہے نہ اجماع۔

اگر صحابی کی رائے دیگر صحابہ کرام میں مشتہر نہ ہوئی ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حجت ہے مگر اجماع نہیں۔ جمہور حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ امام محمدؒ بن حسن نے اسے امام ابو حنیفہؒ سے منصوص قرار دیا ہے۔ امام مالک اور اُن کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسے حجت قرار دیتے ہیں[۳] لیکن شیخ ابو اسحاق شیرازیؒ شافعی "اللمع" میں رقمطراز ہیں۔

"امام شافعیؒ اپنے قولِ جدید میں اسے حجت تسلیم نہیں کرتے اور یہی صحیح ہے"۔[۴]

امام احمد بن حنبلؒ اور اُن کے جمہور اصحاب سے یہی منصوص ہے۔ امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام ابو عبیدہ بھی یہی رائے ہے[۵] معتزلہ میں سے ابو علی جبائی کا یہی مذہب ہے[۶]

---

[۱] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲۰ ص ۵۸۳

[۲] القواعد والفوائد الاصولیۃ۔ علی بن عباس بعلی المعروف بن ابن اللحام بتحقیق احمد محمد شاکر مطبع السنۃ المحمدیہ ۱۹۵۶ء ص ۲۹۵

[۳] اعلام الموقعین لابن القیمؒ طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ جلد ۲ ص ۲۱۷ [۴] اللمع

[۵] اعلام الموقعین طبع دہلی جلد ۲ ص ۲۱۷ [۶] اللمع ص ۵۲

جدید زمانے میں جب کہ ذرائع ابلاغ کی سہولتوں اور جدید ترین ذرائع نقل وحمل کی بناء پر زمان و مکان کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئیں ہیں۔ ان جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے اجماع سکوتی کو اس کی دیگر تمام شرائط کو مدّنظر رکھتے ہوئے قابلِ عمل بنایا جاسکتا ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اجماع کے ممکن العلم ہونے کے لحاظ سے آج کے حالات سوڈیڑھ سو سال پہلے کے حالات سے کہیں بہتر ہیں۔

اہل مدینہ کا اجماع فقہائے اسلام کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر کے فقہا کا کسی مسئلہ پر اکتفا کر لینا نہ تو نہ اجماع کہلائے گا اور نہ وہ حجت ہوگا۔ البتہ بعض فقہاء کسی مسئلے پر اہلِ مدینہ کے اتفاق کو اجماع قرار دیتے ہیں۔ فقہائے مالکیہ کا یہی مسلک ہے۔ مالکیہ میں سے بعض علماء اجماعِ امت کو ایک مستقل اور اہلِ مدینہ کے اجماع کو ایک علیحدہ دلیل مانتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز پر اہلِ مدینہ کا اجماع ہو اس کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں۔ اُن کے نزدیک اہل مدینہ کا اجماع ہی دراصل اجماعِ امت ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے تحقُّقِ سنت کے لیے اس پر اہلِ مدینہ کے عمل کی شرط عائد کی ہے۔ فقہائے مدینہ کے اجماع کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اگر حدیث اس کے مخالف ہو تو وہ حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام مالکؒ کے اس مسلک پر ان کے ہمعصر علماء نے بھی تنقید کی ہے۔ چنانچہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور اور طویل خط جو انہوں نے امام مالکؒ کی خدمت میں لکھا تھا۔ علامہ ابن قیم نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اعلام الموقعین" میں نقل کیا ہے[1]۔ اس اصول پر بہترین تنقید ہے۔ نیز اس خط سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علمائے سلف فقہی اختلافات کے اظہار میں ایک دوسرے کے احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ کے اس اصول پر سخت تنقید کی ہے اور اصحابِ امام مالکؒ کے ساتھ مناظرے بھی کیے۔ فقہی جدلیات میں فقہائے مالکیہؒ اور دیگر فقہاء میں جتنی بحثیں ہوئی ہیں ان میں اہلِ مدینہ کا عمل کسی نہ کسی صورت میں متنازع فیہ رہا ہے۔ واضح رہے کہ اہلِ مدینہ کے اجماع سے امام مالکؒ قرونِ ثلاثہ مفضّلہ کا اجماع مراد لیتے ہیں۔ جرجانیؒ کہتے ہیں کہ

[1] اعلام الموقعین لابن القیم طبع جدید مصر جلد ۳ ص ۸۳

اس سے مراد فقہائے سبعہ کا اجماع ہے[۱]۔

بعض فقہائے مالکیہ کی رائے ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع ان امور میں حجت ہے جن کا تعلق نقل و خبر سے ہے۔ البتہ اجتہادی مسائل میں اہلِ مدینہ اور دیگر علماء برابر ہیں۔ قاضی عبدالوہاب مالکی نے اس مسلک کو اپنے شیخ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الابہری کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاضی عبدالوہاب اہلِ مدینہ کے تعامل کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

اوّل - نقلی

ثانی - استدلالی۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ قسم اوّل کی حجیت پر تمام فقہائے مالکیہ کا اتفاق ہے۔ قسم ثانی یعنی اجتہادی اور استدلالی مسائل پر فقہائے مالکیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابوالعباس قرطبیؒ کہتے ہیں کہ امورِ نقلیہ میں اہلِ مدینہ کے اجماع سے اختلاف کرنا مناسب نہیں اور نہ اس کے خلاف خبر واحد اور دیگر قیاسات وغیرہ قابلِ اعتبار ہیں۔ استدلالی مسائل میں ہمارے جمہور صحابہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف حدیث ہے تو حدیث کو اختیار کیا جائے گا۔

بایں ہمہ علمائے محققین اہلِ مدینہ کے تعامل کو یکسر نظر انداز نہیں کرتے بلکہ مختلف مقامات پر اس سے استدلال کرتے ہیں۔ خصوصاً فقہائے حدیث نے فقہی ترجیح کے سلسلے میں اہلِ مدینہ کے مرویات اور ان کے اجتہادات سے بھرپور استدلال کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اہلِ مدینہ کے مذہب کی اہمیت پر ایک مستقل مقالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اہلِ مدینہ کے تعامل اور اجماع کو چار مراتب میں تقسیم کیا ہے۔

مرتبۂ اوّل | جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل و خبر کے مقام پر ہے جیسے "مُدّ" اور "صاع"

۱۔ مدینہ کے فقہائے سبعہ سے عام طور پر سعید بن المسیّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث سلیمان بن یسار، عُبَیدہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور خارجہ بن زید مراد ہیں۔ بعض علماء ابوبکر بن حارث اور عُبیداللہ بن عبداللہ کے بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو شمار کرتے ہیں، اور بعض اہلِ علم جناب سلیمان بن یسار کو بھی فقہائے سبعہ میں شمار نہیں کرتے۔

کی مقدار کا تعین، سبزیوں میں زکوٰۃ کا عدم وجوب اور اذان و اقامت وغیرہ اس قسم کے امورِ نقلیہ میں اہلِ مدینہ کا اجماع بالاتفاق حجت ہے۔

مرتبہ ثانی اہلِ مدینہ کا عمل قدیم یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے پہلے کا عمل۔ یہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے ظاہر مذہب ہیں۔

مرتبہ ثالث اگر کسی مسئلے میں دو متعارض دلیلیں پائی جاتی ہوں اور ان میں تطبیق و ترجیح کی کوئی اور قوی وجہ نہ ہو اور ان میں سے ایک دلیل پر اہلِ مدینہ کا عمل ہو تو اس صورت میں فقہائے حدیث کا مسلک یہ ہے کہ اس دلیل پر عمل کیا جائے گا جس پر اہلِ مدینہ نے کیا ہے۔

مرتبہ رابع اگر اہلِ مدینہ کا عمل متاخر ہو تو اُسے اختیار کرنے میں اصحاب امام احمد کی دو آراء ہیں۔

اوّل:- اہلِ مدینہ کے عمل کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ علامہ ابوالخطابؒ کی رائے ہے۔

ثانی:- ترجیح نہیں دی جائے گی۔ یہ قاضی ابویعلیٰؒ اور ابوالوفا ابن عقیل کا قول ہے۔ اجماعِ اہلِ مدینہ کی حجیت کے بارے میں وہی معتدل اور قابلِ عمل راہ ہے جو فقہائے حدیث نے عموماً اور علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے خصوصاً اختیار کی ہے۔

اجماعِ مرکب کسی زمانے میں اگر ایک مسئلہ پر اہلِ علم کے صرف دو قول پائے جاتے ہوں تو آیا بعد میں آنے والے علماء کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں آراء کے خلاف کسی تیسری رائے کا اظہار کریں؟ امام شوکانیؒ نے اس بارے میں اہلِ علم کے تین مسلک نقل کیے ہیں۔

اوّل:- پہلا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں آراء کے خلاف کسی تیسری رائے کا اظہار مطلقاً منع ہے استاد ابو منصورؒ، الکیاؒ اور نیز شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے "اللمع" میں اسے جمہور کا مسلک قرار دیا ہے۔ الکیاؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ علامہ قفال شاشیؒ، ابوالطیب طبری، رویانیؒ اور ابوبکر صیرفیؒ نے اسی کو مذہب قرار دیا ہے۔ بعض متکلمین کے سوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی گویا دو آراء پر علماء کا اجماع منعقد ہو گیا۔

ثانی:- دوسرا مذہب یہ ہے کہ ان دو آراء کے خلاف تیسری رائے کا حدوث مطلقاً جائز ہے۔ ابن برہانؒ اور سمعانیؒ نے اس قول کو بعض حنفیہ اور ظاہریہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اس قول کو امام داؤد ظاہریؒ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن (باقی برصفحہ ۲۷)

(بقیہ اجماعِ اُمت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت)

امام ابن حزمؒ اس نسبت کا انکار کرتے ہیں۔

ثالث :۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نئے حکم سے سابقہ دونوں آراء کالعدم نہ ہوتی ہوں تب اس تیسری رائے کا حدوث جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل امام شافعیؒ سے بھی مروی ہے اور شافعیہ میں سے علماء کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے۔

(باقی)